معرفتِ الٰہی

اور

تاریخِ سلسلہ عالیہ

امیر محمد اکرم اعوان

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

امیر تنظیم الاخوان پاکستان

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان ○ منارہ ○ ضلع چکوال

معرفت الٰہی اور تاریخ سلسلہ عالیہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ
۴۰ : ۳۳

حضور اکرم حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے خاتم النبین بنایا جس کا معنی ہے کہ سارے عالم کی راہنمائی کے لئے آپ ﷺ کو معبوث فرمایا اور ہمیشہ کے لئے ہر طرح کے دینوی، اخروی، معاشی، سیاسی، تعلیمی اور انتظامی معاملات میں حق صرف اور صرف وہ ہے جو آپ ﷺ ارشاد فرمادیں۔ اس بات سے یہود و نصاریٰ کو تکلیف ہوتی اور یہ کہتے کہ اسلام کی مسلمانوں نے سچائی پر اجارہ داری بنا رکھی ہے اور یہ کہ اسلام کے سوا کسی کے پاس سچائی نہیں یہ اجاری داری کی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ساری سچائی ہے ہی صرف اسلام۔ اسلام سے باہر سچائی کا تصور ہی مفقود ہے اور ہمارا یہی ایمان ہے۔ اس میں کسی لگی لپٹی کی ضرورت نہیں۔ یہ معمولی بات نہیں ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت اور آپ ﷺ کی بعثت پر جب آپ ﷺ نبی معبوث ہوں تو آنے والی صدیوں کے لئے کسی نئے نبی کی ضرورت نہ رہے۔ روئے زمین پر پھیلے ہوئے بنی آدم کو کسی دوسرے رہنمائی ضرورت نہ رہے۔ زندگی کے پھیلتے ہوئے مسائل، زندگی کے بدلتے ہوئے حالات، زندگی کی بدلتی ہوئی ضرورتوں، نئی نئی ایجادات، نئے نئے زمانے، نئے نئے سوال۔ تو رب جلیل نے فرمایا کہ ان سب کا جواب رسول کریم ﷺ کے پاس موجود ہے۔ ان سب کی راہ دکھانے کی قوت میری کتاب میں موجود ہے اور سارے مسائل کا حل اتباع محمد رسول اللہ میں ہے۔ ہر مسئلے میں آپ کو حل وحی سے تلاش کرنا ہوگا۔ اب ختم نبوت کوئی چھوٹا سا حادثہ نہیں ہے۔ یہ نوع انسانی کی پوری تاریخ میں صرف ایک بار ہوا ہے اور وہ ہے حضور ﷺ کی بعثت اب جب نیا نبی نہیں آئے گا تو انسان تو بدلتے موسموں کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ کتابیں پرانی ہو جاتیں ہیں ارشادات پرانے ہو جاتے ہیں، باتیں بوڑھی ہو جاتی ہیں اور پھر ان میں مفاہیم بدلنے لگتے

ہیں۔ ان کے مضامین بدلنے لگتے ہیں۔ پہلے بھی تو کم و بیش سوا لاکھ نبیؑ اور رسولؑ آئے۔ ان میں کتنے صاحب کتاب آئے جن کے اسمائے گرامی لوگوں کو یاد ہی نہیں۔ ان کی کتابیں لوگ بھول گئے بلکہ جن کی امتیں ابھی موجود ہیں۔ یہودی موسی علیہ السلام کی امت ہیں۔ عیسائی عیسی علیہ السلام کی امت ہیں۔ وہ بھی گمراہ ہو چکے ہیں۔ یہود کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا تھا اور عیسائی کہتے ہیں حضرت عیسی علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں یعنی وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ کسی کے پاس ان کے نبیؑ کی لائی ہوئی صحیح کتاب نہیں ہے۔ آسمانی صحیفے گم ہو گئے اور ان کی زندگی کے صحیح حالات کوئی نہیں بتا سکتا۔ اگر بتا سکتے تو کیا یہ کہتے کہ یہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اسی بات سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں ان کے بارے کچھ بھی پتہ نہیں۔ تو جب یہ حالات حضرت آدم علیہ الصلواۃ والسلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس طرح گذرے تو جس نبیؐ پر اللہ نے نبوت ختم کر دی اس کی بھی تاویلیں گھڑی گئیں۔ قادیانیوں نے کہا کہ ختم کے معنی مہر ہے۔ ان کی مہر سے آگے نئے نبی بن سکتے ہیں۔ اب جو وضاحت نبی کریم ﷺ نے فرمائی وہ یہ ہے کہ نبوت کی عمارت مکمل ہو گئی تھی سوائے اس کے کہ اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی اور میری ذات وہ اینٹ ہے جو وہاں لگ گئی اور بات ختم ہو گئی۔

اب یہ ختم نبوت اتنا بڑا حادثہ ہے، اسکے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ تعلیمات کیسے قائم رہیں گی، پہلے تو کوئی آسمانی کتاب محفوظ نہیں۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اب قرآن حکیم کی حفاظت کا جہاں تک تعلق ہے اگر وہ عالم بالا میں یا ملائکہ کے پاس لوح محفوظ میں یا بیت العزیٰ میں کی جاتی ہے تو وہاں سارے صحیفے بھی محفوظ ہیں جو پہلے اترے تھے ان میں وہاں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ تو گویا قرآن کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ اس عملی دنیا میں، جیتے جاگتے لوگوں میں، قرآن کا علم بھی رہے گا، قرآن کی عبارت بھی رہے گی، قرآن پر عمل بھی موجود رہے گا اور یہ تینوں باتیں بیک وقت ہوں گی تو حفاظت ہو گی۔ اگر ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی گر ادی

تو حفاظت نا مکمل ہو گئی۔ اگر قرآن کا علم نہیں جانتا تو قرآن کی حفاظت کہاں ہو سکے گی اور اگر علم جانتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا تو پھر بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ قرآن تو بغیر عمل کے ایمان کو مکمل قرار نہیں دیتا۔ تو اس ارشاد باری میں یہ بات موجود ہے کہ قرآن کریم کی عبارت بھی محفوظ رہے گی جس پر چودہ صدیاں گواہ ہیں کہ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس کا کوئی نقطہ بھی تبدیل نہیں کیا جا سکا اور اس کے معنی اور مفاہیم بھی جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے۔

اب اس زمانے میں ایک طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس نے حدیث کا انکار کیا جنہیں منکرین حدیث کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اللہ نے حفاظت کا جو ذمہ لیا ہے وہ قرآن کا ہے، حدیث کا نہیں جس میں آمیزش ہو گئی ہے اور موضوع حدیثیں شامل کر دی گئی ہیں۔ لیکن اگر حدیث پاک کی حفاظت نہ کی جائے تو قرآن کے معانی کی تعین نہیں ہو سکتی۔ فیصلہ کن معانی وہی ہیں جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے ورنہ تو عربی زبان ایک ایسا سمندر ہے کہ ایک ایک لفظ کے دو دو سو معانی موجود ہیں یعنی دوسری زبانوں میں دو سو معانی کیے جا سکتے ہیں۔ یہ دنیا کی واحد زبان ہے جس میں ایک لفظ کے متضاد معانی بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً "لفظ "مولیٰ" ہی لے لیں۔ مالک کو بھی مولیٰ کہتے ہیں اور غلام کو بھی مولیٰ کہتے ہیں۔ اب مالک ہونا یا غلام ہونا ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن عربی زبان والے یہ لفظ دونوں پہ استعمال کرتے ہیں۔ جب جملے میں استعمال ہوتا ہے تو سمجھ آتی ہے کہ یہ مالک کے معنی میں استعمال ہوا ہے یا غلام کے معنی میں۔ تو ایسی زبان جس میں اتنی وسعت ہو اس کے الفاظ کا تو کوئی سا معنی بھی لیا جا سکتا ہے۔ اب جتنے گمراہ فرقے ہیں وہ قرآن حکیم کی ایسی ہی تاویلیں ڈکشنری کے سہارے گھڑتے ہیں جن کا جواب ایک ہی ہے کہ قرآن حکیم آپ ﷺ کا منصب جلیلہ بیان کرتا ہے۔ **لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ عَلَيْكَ** یعنی آپ ﷺ فرمائیں لوگوں کو کہ ان پر کیا نازل ہوا ہے۔ لہٰذا ڈکشنریوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ معانی وہ چاہییں جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے، صحابہؓ نے تصدیق فرمائی کہ یہی مطلب ہے یہاں آکر کوئی گمراہ فرقہ کھڑا نہیں رہ سکتا اس کے پاؤں

نہیں نکلتے، اس لئے ہر گمراہ فرقہ صحابہؓ پہ اعتراض کرتا ہے کہ صحابہؓ کو مجروح کیا جائے، ان کو درمیان سے نکالا جائے تو اپنے من مانے معانی ہم وہاں داخل کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

حدیث شریف کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو اللہ نے توفیق دی اور یہ واحد موضوع ہے جس کی حفاظت کے لیے 17 قسم کے علوم انہوں نے ایجاد کیئے۔ اسی میں صرف ونحو بھی ہے، اسی میں گرائمر بھی ہے، اسی میں لہجے اور بول چال کے انداز بھی ہیں اور پھر اس میں سب سے بڑا فن اسماء الرجال ہے جو دنیا میں کہیں اور نہیں ملتا۔ صرف مسلمانوں نے حدیث پیغمبر ﷺ کو پرکھنے کے لئے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا۔ جس کا معنی ہے لوگوں کے نام۔ ہر وہ بندہ جس نے حضور ﷺ سے حدیث بیان کی ہے۔ اس کا نام اس کتاب میں ملتا ہے، اس کے حالات ملتے ہیں، کون سے قبیلے سے تھا، اس کا کردار کیسا تھا، کس زمانے میں تھا۔ جس شخص کا نام بیان کرتا ہے اس کا زمانہ بھی اس نے پایا یا نہیں، کب پیدا ہوا، کب فوت ہوا، اس کا خاندان کیسا تھا، اس کا کردار کیسا تھا، اس کا عقیدہ کیسا تھا اور پھر اس کا حافظہ کیسا تھا۔ ان ساری باتوں کو مدنظر رکھ کے حدیث کو پرکھا جاتا ہے۔ یہ تو ہو گئے آثار پھر اس کے قرائن لئے جاتے ہیں کہ کیا یہ بات شان رسالت کے مطابق ہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہو گا۔ اگر اس معیار پہ پوری نہ اترے پھر بھی قبول نہیں کرتے اور محدثین نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ اگر انہیں پتہ چلا کہ فلاں بندہ صوفی ہے، مخلص ہے، ہم اس کی عظمت کے قائل ہیں لیکن اس کی حدیث نہیں لیں گے۔ بھئی یہ تو سب سے سچے اور کھرے لوگ ہیں۔ فرمایا سچے تو ہیں لیکن اتنے سچے ہیں کہ ہر بندے کو سچا سمجھ لیتے ہیں۔ ان سے کوئی جھوٹ بول گیا ہو گا تو یہ سچ سمجھ کر جھوٹ آگے بیان کر دیں گے۔ علماء نے اس حد تک احتیاط کی۔ امام بخاریؒ نے بخاری شریف مدینہ منورہ میں رہ کر مرتب فرمائی اور ایک ایک حدیث کے لیے بڑے بڑے سفر کیے۔ ایک حدیث کے لیے مدینہ منورہ سے چل کر مصر تشریف لے گئے۔ پتہ چلا کہ وہاں ایک شخص کے پاس نبی ﷺ کی حدیث شریف ہے۔ وہاں پہنچے تو وہ شخص اپنی جھولی پکڑ کر باغ میں گھوڑے کو بلا رہا تھا۔ گھوڑا جب آیا تو اس نے گھوڑے کو پکڑ لیا اور جھولی چھوڑ دی جو

خالی تھی۔ انہوں نے فرمایا میں بڑا سفر کر کے آیا ہوں لیکن تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ تمہارے حوالے سے حضور ﷺ کی کوئی حدیث نقل کروں۔ تم نے ایک بے زبان جانور سے جھوٹ بول کر اسے پکڑا۔ میں کوئی اور راوی تلاش کروں گا۔ اس نے کہا حضرت اس میں کونسا گناہ ہے میں نے گھوڑا پکڑ لیا۔ فرمایا ایک مٹھی دانے جھولی میں رکھ لیتے تو جانور سے دھوکہ نہ ہوتا۔ اگر تمہیں اس کا احساس نہیں ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تو اور بری بات ہے۔ اس محنت اور اس عرق ریزی سے مسلمانوں نے اتنے حالات جمع کیے کہ آج سیرت کی کتابوں سے شمار کر کے بتایا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے بعثت سے لے کر وصال تک اتنے الفاظ ارشاد فرمائے، اتنے سیر یا اتنے دانے آپ نے گندم کے تناول فرمائے۔ اتنے جو تناول فرمائے، اتنے چاول استعمال فرمائے، اتنے جوڑے جوتے استعمال کئے، اتنے جوڑے لباس استعمال کیا اور اتنے سفر کئے یہاں سے وہاں تک۔ ایک ایک قدم مسلمانوں نے گن رکھا ہے۔ گھوڑے کتنے تھے، خچر کتنے تھے، غلام کتنے تھے، اسلحہ کتنا تھا، زرہ کتنی تھیں، کتنے غزوات ہوئے، حضور ﷺ آرام کتنی دیر فرماتے تھے، تہجد میں کتنا وقت لگاتے تھے، رکوع میں کتنی دیر لگتی تھی، سجدہ کتنا لمبا کرتے تھے۔ یہ ساری تفصیل مل جائے گی جبکہ قومیں اپنے انبیاءؑ کی اصل بھول چکی ہیں، حلیہ بھول چکی ہیں، نام بھول چکی ہیں، ولدیت کی جگہ انہیں خدا کا بیٹا بتا رہی ہیں اور ان کا فرمایا ہوا ایک لفظ ان کے پاس موجود نہیں۔ کتنی بڑی عیسائی دنیا ہے۔ ان کے پاس ایک لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنا فرمایا ہوا نہیں ہے۔ اناجیل مختلف حواریین کے نام پر ہیں۔

اپنے سب سے آخری نبی حضور ﷺ کی لائی ہوئی کتاب اور آپ ﷺ کے ارشاد کئے ہوئے معانی اور اس پر عمل کے طریقے کو اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے یہ ختم نبوت کا تقاضا ہے لیکن یہاں بات ختم نہیں ہو جاتی۔ ایک بات اور بھی تھی وہ خلوص، وہ قلبی لگاؤ بھی درکار تھا۔ وہ دلی جذبے بھی چاہیں تھے جو نبی ﷺ نے دلوں کو بانٹے۔ اگر ان کو نفی کر دیں تو حفاظت کے تقاضے پھر بھی پورے نہیں ہوتے۔ اس امت میں اللہ نے وہ طبقہ بھی پیدا

کر دیااور وہ یوں کہ حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں جو پہنچاوہ صحابیؓ ہو گیا۔ صحابیؓ کے لیے نمازیں، نوافل، وظیفے شرط نہیں ہیں۔ ایسے لوگ بھی صحابیؓ ہیں جنہوں نے کلمہ پڑھا۔ نماز کا وقت بھی نہیں آیا، میدان کارزار میں آکر شامل ہوئے اور وہیں شہید ہو گئے۔ دو دوست تھے ایک احد میں شہید ہو گیا، دوسرے کا تین دن بعد وصال ہوا۔ تو کسی نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ ان دونوں میں بہتر کون رہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے تین دن مزید اللہ اللہ کر لیا، عبادت کر لی، فرائض ادا کر لیے۔ تو جس نے کچھ بھی نہیں کیا صحابیؓ تو وہ بھی ہے۔ صحابیت گویا ایک قلبی کیفیت کا نام تھا کہ امانت، دیانت، محبت الٰہی اور معرفت الٰہی کا وہ درجہ نصیب ہو گیا جو نبیوں کے بعد اعلیٰ ترین ہے۔ اور یہ اس طرح ہوا کہ بغیر تفریق کے مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، عالم، جاہل، مالدار، فقیر جو بھی آیا صحابیؓ ہو گیا۔ اب اگر کوئی علمی فضیلت رکھتا ہے تو صحابیؓ بننے کے بعد اسکے درجات بڑھ گئے۔ کوئی ناکارہ ہے، کمزور ہے، اس درجے کو نہ پہنچا۔ نفس صحابیت میں سب شامل ہیں۔ یوں حفاظت الٰہیہ کا دائرہ مکمل ہوا۔ پھر باری آئی تابعینؒ کی۔ وہ نعمت یوں بٹی۔ ہر صحابیؓ کے پاس جو بھی پہنچاوہ تابعیؒ ہو گیا۔ خواہ وہ مرد تھا، خاتون تھی، بچہ تھا، بوڑھا تھا، چھوٹا تھا، بڑا تھا۔ صحابہؓ کی تعداد مختلف روایات کے مطابق حجتہ الوداع میں سوالاکھ تھی۔ اگرچہ تمام صحابہؓ وہاں جمع نہیں تھے وہی تھے، جو حج کے لئے وہاں جمع ہوئے۔ اس کا مطلب ہے حاجی سوالاکھ تھے۔ اور عہد نبویؐ میں جزیرہ نمائے عرب پر اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی تو تابعینؒ کی تعداد گننا آسان نہیں ہے۔ صحابہؓ دنیا کے بیشتر حصوں میں پہنچے۔ چین تک ان کی فتوحات گئیں۔

ہندوستان، سری لنکا، کابل و سمرقند و بخارا اور کاشغر تک وہ گئے۔ آدھے سے زیادہ افریقہ صحابہؓ نے فتح کیا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ معلوم دنیا کے تین حصوں پر صحابہ کرامؓ نے اسلامی سلطنت قائم کر دی۔ اتنی دنیا میں جو بھی جس صحابیؓ سے ملا وہ تابعیؒ ہو گیا۔ یہ جو ہم کہہ دیتے ہیں کہ تین زمانے ہیں حضور ﷺ کا، صحابہؓ کا، تابعین کا، تبع تابعین کا۔ ہم تو بڑا ہلکا سا لیتے ہیں۔ لیکن یہ ایک وسیع سمندر ہے یعنی جہاں جہاں صحابیؓ پہنچے اور صحابیؓ کی جس کسی کو

ایمان کے ساتھ زیارت نصیب ہوئی وہ تابعی ہو گیا۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اپنے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے ایک دفعہ جنات اٹھا کے لے گئے۔ پوچھا تو کہنے لگے کہ ایک بہت بڑا شرعی مسئلہ الجھا ہوا ہے آپ سے اس کا فیصلہ لینا ہے تو وہ مجھے ایک دربار میں لے گئے جہاں جنوں کا کوئی بادشاہ یا حاکم بیٹھا تھا۔ اور اس کے پاس ایک مقدمہ تھا کہ ایک شخص نے ایک جن جو سانپ بنا ہوا تھا مار دیا۔ مارنے والا مسلمان تھا اور وہ جن حاکم جس کے پاس مقدمہ تھا وہ بھی مسلمان تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے انہیں وہ واقعہ بتایا کہ مدینہ منورہ میں ایک دفعہ ایک صحابیؓ جہاد سے تشریف لائے تو انہوں نے اپنی اہلیہ کو بے پردہ باہر گلی میں کھڑے دیکھا، انہیں بڑا غصہ آیا، تلوار سونت لی۔ انہوں نے صحن میں جھانکا تو ایک بہت بڑا سانپ تھا جو زمین سے تین چار فٹ اوپر اپنا پھن لہرا رہا تھا۔ انہوں نے تلوار کا وار کیا اور سانپ کاٹ دیا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ بھی تڑپ کر مر گئے۔ پتہ یہ چلا کہ وہ سانپ جن تھا اور جنوں نے بدلے میں انہیں شہید کر دیا۔ صحابہ کرامؓ ان کا وجود مبارک لے کر حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں گئے اور دعا کی درخواست کی کہ اللہ اسے پھر سے زندگی دے۔ فرمایا کہ دو میں سے ایک چن لو۔ یا میں اس کی زندگی کے لئے دعا کر دیتا ہوں اور یہ شہید ہو چکا ہے۔ اللہ کے نزدیک جنت میں پہنچ چکا ہے یا اسی حال پہ رہنے دو۔ اگر اسے واپس لاؤ گے تو پھر امتحان میں پڑے گا۔ اللہ جانے کیا انجام ہو یہ جب اپنے گھر پہنچ چکا ہے تو کیوں اسے تکلیف دیتے ہو۔ تو سب نے کہا الحمد للہ جانا تو پھر بھی ہے یہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ رہنے دیں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا! آئندہ اگر سانپ بن کر کوئی جن آئے تو اسے قتل کر دو اور اس کا کوئی قصاص نہیں اور جنوں کو بھی سنا دیا گیا کہ اگر سانپ کے روپ میں مارے جاؤ گے تو کوئی قصاص نہیں۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں میں نے یہ واقعہ حدیث سنایا تو دربار میں موجود ایک جن نے آنکھوں کے پپوٹے اٹھا کر مجھے دیکھا اور کہا خدا بھلا کرے تمہارا۔ میں اس مجلس میں موجود تھا لیکن بوڑھا ہو چکا ہوں اور آپ کے بیان کرنے سے مجھے واقعہ یاد آگیا، میرے حافظے میں نہیں تھا۔ شاہ صاحبؒ یہ واقعہ بیان کر کے لکھتے ہیں کہ میں تابعی ہوں میری ملاقات جن صحابیؓ سے ہوئی۔

جن بھی حضور ﷺ کی اتباع کے مکلف ہیں تو یوں تابعینؒ کہاں تک۔ پھیلے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ سارا کمال تابعینؒ کے عہد میں بھی ایسا ہی رہا کہ جو کسی تابعی سے ملا وہ تبع تابعی بن گیا۔ ان کا طبقہ ہی الگ ہے۔

اب اندازہ کیجئے یہ برکات رب کریم نے کتنی پھیلائیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے کتنا دلوں کو خلوص بانٹا اور ختم نبوت سے کیا کیا نعمتیں وابستہ تھیں۔ اور وہ کہاں کہاں، کیسے کیسے پہنچیں۔ علوم ظاہری کا سمندر تو ویسے ہی ٹھاٹھیں مارتا رہا۔ اب تک مار رہا ہے اور انشاء اللہ قیام قیامت تک یہ سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہے گا۔ مدرسے رہیں گے، اساتذہ رہیں گے، طالب علم رہیں گے، دین پڑھا، پڑھایا، سیکھا، سکھایا جاتا رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔ یہ حفاظت الٰہیہ کا حصہ ہے ہاں یہ جو نعمت قلبی اور باطنی تھی اس کی تقسیم تبع تابعینؒ پر آ کر رک گئی کہ لوگوں میں وہ اہلیت اور وہ شعور نہ رہا کہ ہر بندہ وہ برکات لیتا۔

جوں جوں زمانہ نبی ﷺ سے دور ہوتا گیا۔ برکات کم پڑتی گئیں تو تبع تابعینؒ کے بعد کے لوگوں میں وہ حوصلہ نہ رہا کہ ہر بندے کو وہ نعمت نصیب ہو۔ پھر مخصوص لوگوں کو یہ کیفیات بانٹی جاتیں۔ لوگوں میں استعداد ہی اتنی رہ گئی کہ لوگ ان سے وابستہ رہتے۔ دعائیں کراتے، وظیفے پوچھتے، تبع تابعینؒ سے لے کر ہمارے زمانے تک اتنے بڑے بڑے نام ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ آئمہ فقہ کے، حدیث کے، تفسیر کے، تصوف کے۔ اللہ اللہ کے ہر شعبے کے کہ جس زمین پر انہوں نے قدم رکھا وہ زمین بھی روشن ہو گئی۔ لیکن اللہ کی شان تبع تابعینؒ سے لے کر ہمارے زمانے تک قاعدہ یہی بن گیا کہ کسی کے پاس لاکھوں مرید اگر آ گئے تو اس نے چار پانچ کو قلبی کیفیات دیں اور باقی کو ظاہری راہنمائی عطا فرمائی۔ تسبیحات عطا فرمائیں۔ قرآن حکیم پڑھنے کا مشورہ دیا، نوافل کا حکم دیا، پھر ایسے ایسے ولی اللہ بھی ہوئے جو سلاسل کے شیخ بنے۔ مثلاً" سلسلہ سہروردیہ کے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ۔ لیکن آپ جب ان کے مجازین کو دیکھتے ہیں تو وہ صرف چار ہیں یعنی چار بندوں کی تربیت فرمائی۔ ایسا شیخ جو تصوف کی راہ میں قطب مینار بن کر کھڑا ہے اور اس سلسلے کا بانی ہے۔ اسی طرح آپ قادریہ سلسلہ کو دیکھ

لیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ۔ جن کی بارگاہ سے سلاطین بھی جھاڑ کھا کر اٹھتے تھے۔ سب سے مشہور صوبہ نیم روز کا تھا۔ بادشاہ نے ہدیتہً پیش کیا تو آپ نے فرمایا میرے پاس نیم شب کی سلطنت ہے۔ نیم روز کے صوبے کی ضرورت نہیں اور آپ نے ایک مشاہدہ بیان فرمایا تو کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ نے یہ خواب دیکھا ہے تو فرمایا۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

من غلام آفتاب و ہم از آفتاب گویم

میں خواب کی باتیں نہیں کرتا میں تو محمد رسول اللہ ﷺ کا خادم ہوں جو آپ ﷺ سے سنتا ہوں، وہی سنا رہا ہوں۔

یہ کہنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے، لیکن کتنوں کو درد دل دیا۔ تین نہیں تو چار ہوں گے۔ اس سے زیادہ تو نہیں۔ باقی سب سلاسل کا بھی یہی حال ہے بلکہ بعض میں تو انہوں نے آگے بتانا بھی مناسب نہ سمجھا۔ چار پانچ کو بتانا مجبوری تھی کہ یہ نعمت آگے جانی تھی۔ حفاظت الہیہ کا یہ شعبہ تھا اور اسے رکنا نہیں تھا۔ سب کو نہ بتائی کیونکہ لوگوں میں اس کی استعداد نہ رہی۔ اللہ ہی مصلحت جانے۔

اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ صدیوں بعد ایک چھوٹے سے ویران گاؤں کے رہائشی ایک عام مولوی، ایک عام کاشتکار، نہ کوئی رکھ رکھاؤ، نہ کوئی بڑا مدرسہ، نہ کوئی سیاسی قوت، نہ کسی سلطنت کے ساتھ کوئی تعلق، نہ کوئی پبلک ڈیلنگ کسی بڑی جماعت کے ساتھ، کچھ بھی نہیں۔ اپنے ایک بندے مولوی اللہ یار خانؒ کو اللہ نے یہ توفیق بخشی کہ تبع تابعینؒ کے بعد یہ سنت اللہ کے اس بندے نے جاری کی کہ ہر آنے والا درد دل لے کر گیا۔ میری کسی تحریر میں یہ بات آئی تو کسی دارالفتاوی سے ایک فتویٰ میرے پاس بھی آیا کہ اس بات میں کبر پایا جاتا ہے اور یہ تعلّی ہے۔ تو میں نے انہیں جواب دینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ یہ ایک تاریخی گواہی ہے اور تاریخی گواہیوں کو تاریخ سے مقابلہ کر کے رد کیا جاتا ہے۔ چاہئے تھا کہ صاحب فتویٰ لکھتے کہ تبع تابعینؒ کے بعد فلاں ہستی کے پاس جو آیا اسے انہوں نے درد دل دیا یا احوال قلبی عطا

فرمائے یااللہ اللہ سکھائی۔جب آپ کوئی مثال پیش نہیں کر سکتے تو صرف آپ کا یہ کہنا کہ تکبر ہے بڑی زیادتی ہے۔یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا اَنَا سَیِّد وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَلِیْ یہ فخر کی ،بڑائی کی، تکبر کی بات نہیں۔میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔یہ ایک حقیقت حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی۔اپنی بڑائی کے لئے نہیں فرمایا۔ اگر مجھے یہ کہنے میں غلطی لگی ہے کہ تبع تابعینؒ کے بعد حضرتؒ نے یہ سنت جاری کی کہ ہر آنے والے کو درد دل دیایا میرے ناقص علم میں کوئی نام رہ گیا ہے تو آپ بتادیجئے کہ فلاں صدی میں فلاں بزرگ تھا۔اس کے پاس جو جاتا وہ قلبی کیفیات لے جاتا تھا تو میں مان لوں گا۔ لیکن آپ بتا نہیں سکتے یہ ایسی عجیب بات ہے۔ہمارے ہاں اکثر دیہات کی مساجد کے خادم خود نمازیں پڑھنے والے لوگ نہیں ہوتے۔وہ پانی کے مٹکے بھر جاتے ہیں اور نمازیں نہیں پڑھتے۔لیکن حضرت جیؒ کی مسجد کے خادم کو بھی میں نے فنافی الرسولؐ دیکھا ہے۔ایک رات وہ بیٹھا لطائف کررہا تھا تو ایک کوبرا سانپ گزرا۔وہ بیٹھا سر ہلا رہا تھا تو سانپ نے بھی اسی طرح شروع کر دیا اور پھر کئی ڈنگ مارے مگر کچھ نہ ہوا۔جب دعا مانگنے کے بعد آنکھیں کھولیں تو سانپ سے کہا ارے بیوقوف! میں تو اللہ اللہ کررہا تھا تو یہاں کیا جھک ماررہا ہے۔تو سانپ چلا گیا یعنی یہ حالات ہم نے ان لوگوں کے دیکھے ہیں جو حضرت جیؒ کی مسجد کے خادم تھے ان کے ہم چشم دید گواہ ہیں۔پھر جو طالب تھے انہیں کیا نصیب ہوا ہوگا۔

کمال یہ ہے کہ ہر آنے والے کو آپ نے ذکر قلبی عطا فرمایا، وہ مرد تھا، خاتون تھی، بچہ تھا، بوڑھا تھا، امیر تھا، غریب تھا، مولوناصاحب تھے یا ان پڑھ دیہاتی اور تبع تابعینؒ کے بعد پہلی دفعہ یہ نعمت اس طرح عام ہوئی۔اگر اس طرح نہ ہوتا تو میں اور آپ اس قابل نہیں تھے کہ لاکھوں میں سے ہمیں کوئی چن لے اور ابھی تک اس میں وہی جوبن وہی رعنائی۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس سائنس کے دور میں جاپان سے لے کر امریکہ کے مغربی ساحلوں تک اور چین سے لے کر افریقہ تک دنیا کے ہر گوشے میں کوئی نہ کوئی مرد یا خاتون اس سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔ایک دیہات سے،ایک چھوٹے سے گاؤں سے جسے ابھی تک لوگ

نہیں جانتے لیکن جو بات وہاں سے اٹھی وہ عالمگیر ثابت ہوئی۔ اس کی اساس بھی بڑی عجیب ہے۔ حضرت جیؒ جب علوم سے فارغ التحصیل ہو کر آئے غالباً" ۱۹۳۳ء تھا۔ میری ولادت ۱۹۳۴ء کی ہے۔ مفتی کفائیت اللہ دہلویؒ آپ کے استادوں میں سے تھے۔ آپ مزاجاً" سماع موتی کا انکار کرنے والے علماء میں شامل تھے۔ یہ سماع موتی کا اقرار انکار صحابہؓ کبار کے عہد زریں سے چلا آرہا ہے۔ لوگ قائل بھی ہیں اور ایسے بھی ہیں جو قائل نہیں لیکن اس میں نزاع نہیں تھا۔ یہ علمی بات تھی۔ مولانا غلام اللہ خان مرحوم اور مولانا عنایت اللہ گجراتی کی زبان سے اب آکر مشہور ہوئی اور ان کے ذمے لگ گئی ذمے اس لئے لگ گئی کہ ان حضرات نے یہ بات سٹیج پر کہہ دی۔ اس سے پہلے علماء اس بات کو سٹیج پر نہیں لے جاتے تھے۔ علمی بات تھی، عام آدمی نہ اسے سمجھ سکتا ہے اور نہ آگے بیان کر سکتا ہے۔ اور یہی نقصان ہوا کہ جب یہ حضرات اس کو سٹیج پر لے گئے تو ایک نیا فرقہ وجود میں آگیا اور اس میں گستاخی کا عنصر بہت غالب آگیا۔ متقدمین جو اس کو سٹیج پر نہیں لے جاتے تھے تو اسی خطرے کے پیش نظر، لیکن ایک مضبوط طبقہ علماء کا سماع موتی کا انکار کیا کرتا تھا۔

حضرتؒ کے استاد (چک نمبر ۱۰ ضلع سرگودھا) کے بیل چوری ہو گئے۔ اس زمانے میں بھینسیں، بیل، گھوڑیاں چوری ہوتی تھیں۔ بڑا لمبا چوروں کا واسطہ ہوتا تھا۔ جسے رسہ گیری کہتے تھے۔ اس نے اگلے گاؤں دے دی۔ اگلے نے اگلے اس طرح دو دو سو میل وہ جانور چلے جاتے۔ انہیں پتا چلا کہ بیل جھنگ میں پہنچ چکے ہیں۔ حضرتؒ ایک اور طالب علم کے ہمراہ لنگر مخدوم (جو ضلع جھنگ میں ہے) اس کام کے لیے پہنچے۔ گاؤں کی مسجد میں نماز ادا کی جہاں ایک علمی مجلس میں سماع موتی پر گفتگو چل نکلی تو حضرتؒ نے سماع موتی کا عقیدہ رکھنے والوں کی بھرپور تردید کی اور دلائل دیئے۔ وہاں ایک بزرگ تشریف فرما تھے، عمر رسیدہ تھے۔ جب حضرت جیؒ نے بات ختم کی تو فرمانے لگے کہ آپ کی باتوں میں بڑا وزن ہے لیکن ہم کیا کریں۔ ہمارے ساتھ تو قبر والے باتیں بھی کرتے ہیں اور ہماری سنتے بھی ہیں۔ ہم آپ کی دلیلوں کو کیسے مانیں۔ اس اللہ کے بندے کے کہنے میں اتنی بے ساختگی، اس کی

پارسائی، تقدس اور راست گوئی اور اس قدر معصومیت سے بھری مجلس میں کسی عالم سے یہ کہہ دینا حضرتؒ کے دل میں وہ بات اتر گئی کہ یہ شخص غلط نہیں کہہ رہا۔ ہم سنی سنائی باتوں پر شور کر رہے ہیں اور اس شخص کی عمر اس تجربے میں گذر گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ایسی بات ہے تو ہمیں بھی کرادو۔ آپ سے بات کرتے ہیں تو ہم سے بھی ہونی چاہیے۔ وہ بندہ تھا حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ جس نے حضرت جیؒ کو اللہ اللہ شروع کرائی اور جنہیں ملتان میں کسی شیخ نے مراقبات ثلاثہ کرائے تھے اور فرمایا تھا کہ اس سے آگے میں کرا نہیں سکتا۔ ہاں ایک بزرگ کا مزار ہے وہاں مجاہدہ کرتے رہو تو ان شاء اللہ تمہاری کچھ ترقی ہو جائے گی۔ یہ تھے سلطان العارفین حضرت اللہ دین مدنیؒ۔ پھر آپ نے محکمہ مال میں بطور پٹواری ملازمت اختیار کر لی اور لنگر مخدوم میں آکر مقیم ہوئے اور ساری عمر حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار ہی پہ بسر کر دی بلکہ ایک واقعہ حضرتؒ سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ خواجہ عبدالرحیمؒ کا تبادلہ ہو گیا تو وہ آرڈر لے کر آپ حضرتؒ کے مزار پر چلے گئے اور عرض کیا کہ حضرتؒ میرا تبادلہ ہو گیا اس کا کچھ کریں۔ بہت سادہ آدمی تھے۔ اب صاحب قبر نے تبادلے کا کیا کرنا تھا۔ خاموش کوئی جواب نہ ملا۔ پھر عرض کیا کہ حضرت یہ تبادلہ رکوائیں۔ میں تو مر جاؤں گا یہ اللہ اللہ کا نقصان میں کیسے برداشت کروں گا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مجھے آپ یہاں سے نکال رہے ہیں۔ گویا لڑتے بھڑتے رہے کوئی جواب نہ ملا تو دل برداشتہ واپس ہوئے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ جب سو دو سو قدم نکل گئے تو دیکھا کہ شیخ سامنے کھڑے ہیں انہوں نے وہ کاغذ ان کے ہاتھ سے لے کر پھاڑ دیا۔ اس کے بعد زندگی بھر ان کا تبادلہ نہ ہوا۔ ریٹائرمنٹ ہوئی وہیں رہے وہیں فوت ہوئے اور اپنے شیخ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ مراقبات ثلاثہ سے آگے جو اسباق تھے وہ انہیں وہاں قبر پر مراقبہ کرتے کرتے نصیب ہوئے۔ تو یہی بات وہ حضرتؒ سے کہہ رہے تھے کہ ہمیں تو سکھاتے ہیں ہم سے باتیں کرتے ہیں اور ہماری باتیں وہ سنتے ہیں۔ آپ کے دلائل اپنی جگہ۔ ہم اس سے انکار کیسے کریں۔

یہاں سے حضرتؒ نے ابتداء کی اور پھر ایسے اسیر ہوئے کہ تیرہ برس اپنے شیخ

کے مزار پر ذکر اذکار کیا۔ زمیندار آدمی تھے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ کاشت کاروں کو فصل خریف اور فصل ربیع پر کام کرنے والوں یعنی موچی، نائی، دھوبی، درزی کو غلہ دینا ہوتا تھا۔ جس کی مقدار مقرر ہوتی تھی اور یہ جملہ سہولتیں میسر آجاتی تھیں۔ سوت مائیں بہنیں کاتتیں اور جولاہا کپڑا بن دیتا۔ درزی سی دیتا، دھوبی دھو دیتا۔ ضروریات محدود تھیں۔ ساگ پات کھیتوں سے لوگ لاتے ابال کر کھا لیتے تھے۔ گوشت اس وقت ملتا جب کسی کا جانور گر گیا، ٹانگ ٹوٹ گئی یا بیمار ہو گیا۔ تو ذبح کر لیا یا عید قربانی آگئی یا کسی کی شادی ہوئی تو جانور کاٹا۔ روزمرہ بازاروں میں بیچنے کے لیے کوئی جانور نہیں کاٹا تھا۔ سادہ زمانہ تھا۔ زمینداروں کے گھر غلہ پر گذارہ ہو جاتا تھا۔ حضرتؒ کا کام بھی غلے پر ہو جاتا تھا تو کچھ دن گھر کا چکر لگا آتے باقی سارا سال اپنے شیخ کے مزار پر رہتے اور فرمایا کرتے تھے کہ چاشت سے ظہر تک اور ظہر سے عصر تک پھر مغرب سے عشاء تک اور تہجد سے چاشت تک نمازوں کا وقت نکال کر یہ لطائف وقت تھا جس میں مسلسل لطائف کیا کرتے تھے۔ تیرہ برس میں جہاں تک اللہ کو منظور تھا یہ نعمت عظمیٰ آپ کو نصیب ہوئی تو واپس گھر لوٹے۔ فرماتے تھے سولہ برس میں نے کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ حتیٰ کہ ۱۹۴۷ء میں برصغیر تقسیم ہو کر پاکستان وجود میں آگیا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ شیعت کا بہت زور ہوا۔ شیعہ مدارس وجود میں آنے شروع ہوئے اور شیعہ علماء نے اہل سنت کو مناظروں کے لیے للکارا۔ اہل سنت میں بہت کم علماء تھے جو شیعت سے کماحقہ واقف تھے بلکہ ۱۹۷۰ء تک بھی تین چار نام ہی گنے جا سکتے ہیں۔ مثلاً" مولانا عبدالرحیم قریشی، مولانا عبدالستار تونسوی، حضرت شاہ صاحب چوکیرے والے اور پھر حضرتؒ تھے ان کے علاوہ اگر کوئی تھے تو نچلے طبقے میں۔ اس پائے کے نہیں تھے۔ کہ ملک گیر سطح پر مناظروں میں بات کرتے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مراقبے میں تھا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی سے ارشاد فرما رہے تھے

یہ آپ ﷺ کی زندگی میں بھی عادت مبارکہ تھی کہ جسے کچھ کہنا چاہتے نامزد کر کے ارشاد نہیں فرماتے تھے۔ بات مجلس میں فرماتے اور سمجھنے والا سمجھ لیتا کہ مجھے کہی جا رہی

ہے کہ "یہ جو اسلام کی عمارت ہے اس میں پتھر نہیں، میرے صحابہؓ کی ہڈیاں لگی ہیں، اس میں مٹی نہیں، میرے صحابہؓ کا گوشت اور پانی کی جگہ ان کا خون لگا ہوا ہے۔ آج لوگ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کے خلاف بات کرتے ہیں اور جاننے والے جنہیں اللہ نے علم دیا ہے وہ اس لئے گوشہ نشین ہیں۔ کہ باہر مجالس میں لوگوں کی نحوست پڑے گی تو فردا قیامت میں جب پوچھا جائے گا کہ آپ کہاں تھے تو کیا جواب دیں گے۔" حضرتؒ فرماتے ہیں میں جیسے ہی مراقبے سے اٹھا۔ میں نے میدان عمل میں اترنے کا تہیہ کر لیا۔ شیعہ کے مقابلہ میں جلسے، تقریریں اور مناظرے شروع ہو گئے۔ پھر بارگاہ نبویؐ ہی سے ارشاد ہوا کہ صرف مناظروں سے بات نہیں بنے گی۔ لوگوں کو وہ قلبی دولت بھی دیجئے جو آپ کو حاصل ہے۔ یہ پچاس کی دہائی کے آخری سالوں کی بات ہے جب میں حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا تو پانچ چھ ساتھی جو لٹھ باز تھے، بندوق چلانے والے تھے، حضرتؒ کے ساتھ مناظروں میں جاتے بطور محافظ اور باڈی گارڈ، انہیں بھی حضرتؒ نے یہ نعمت تقسیم فرمائی۔ چونکہ بانٹنے کا حکم تھا اس لئے حضرتؒ جلسے میں اعلان کر دیتے کہ کسی کو فناء فی الرسول کی ضرورت ہو تو میرے پاس آئے میں اسے اللہ اللہ کراؤں گا اور اس کی نبی کریم ﷺ سے بیعت کراؤں گا تو اللہ نے مجھے یہ سعادت ۴۔اپریل ۱۹۶۴ء کو بخشی۔

رفتہ رفتہ جماعت کی بنیاد بھی میرے ہاں پڑی اور الحمد للہ ابھی تک اس کے اجتماعات اسی طرح جارہے ہیں۔ اب یہ بات یہاں سے بڑھتے بڑھتے روئے زمین پر پھیل گئی لیکن کسی کی مرضی یا کسی کے کمال سے نہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم سے یہ چیز عام ہوئی۔ پھر آپ دوستوں کو بھی یاد ہو گا۔ ۱۹۷۸ء۔ ۱۹۷۹ء میں سلسلہ عالیہ میں ظاہری بیعت کی اجازت ہوئی اور لوگ پچاس کی دہائی سے ذکر کرتے آرہے تھے۔ ہم نے بھی آکر حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اس سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے کہ ظاہری بیعت کے لیے مخلصین مل جاتے تھے، علماء مل جاتے تھے۔ لوگ بیعت کر لیتے تھے تو سلسلہ عالیہ میں یہ تھا کہ جو بارگاہ نبویؐ تک پہنچے اس کی روحانی بیعت کرادی جائے۔ ورنہ جو آتا اسے اللہ اللہ پہ

لگادیا جاتا۔ پھر بارگاہ نبویؐ ہی میں سوال پیش کیا گیا کہ یا رسول اللہ اب تو بیعت ظاہری کے لیے اکثر چور، اچکے اور بدعتی ہیں۔ جن میں کئی شیعہ پیر اور سنی مرید۔ اس طرح کا تماشہ بن گیا ہے اسکا کیا تدارک کیا جائے۔ تو یہ بھی بارگاہ نبویؐ سے ارشاد ہوا کہ ظاہری بیعت لینا شروع کر دیجئے۔ تاکہ لوگوں کو متبادل راستہ مل جائے۔ تو یوں سلسلہ عالیہ میں ظاہری بیعت کا سلسلہ شروع ہوا اور اب تک یہ شمع روئے زمین پر اللہ اللہ کی کرنیں بکھیر رہی ہے۔ اس میں نہ میرا کمال ہے نہ آپ کا۔ ہاں یہ اس کی عطا ہے۔ یہ شعبہ ہے ختم نبوت کا جسے اللہ نے قائم رکھنا تھا، رکھنا ہے اور رکھے گا۔ یہ اس کا وعدہ ہے جسے چاہے توفیق دے دے اس نے اگر مجھے اور آپ کو توفیق دے دی ہے تو اسے اللہ کا انعام سمجھئے اسے بوجھ مت جانیئے۔ اس کے ساتھ اپنا پورا خلوص لگائیے کہ یہ نعمت عظمیٰ ہے۔

اور بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں چودہ سو سال بعد اس انداز سے یہ نعمت نصیب ہوئی جس انداز سے تبع تابعینؒ تک پہنچ کر رک گئی تھی۔ اس میں میں سمجھتا ہوں کہ بے دینوں کا بھی حصہ ہے کہ اگر یہ بے حیائی، یہ بے دینی اور یہ گناہ نہ بڑھتے تو شاید ہمیں نیکوں میں شمار کوئی نہ کرتا۔ یہ لوگ جنہیں آپ بے دین اور بدکار سمجھتے ہیں میرے خیال میں یہ ان کی برکت ہے انہوں نے اتنی بدکاری پھیلائی کہ اللہ نے یہ نعمت عام کر دی۔ ان کا حق بنتا ہے ہر صوفی پر کہ ان کی اصلاح کے لیے اور ان کی توبہ کے لیے دعا کرے۔ غیر شعوری طور پر، نادانستہ طور پر ہی سہی لیکن مجھ، آپ تک یہ نعمت پہنچانے کے سبب تو بن گئے۔ اب ان کی اپنی قسمت لیکن دعا کیا کریں نفرت نہ کریں۔ کسی بدکار سے اختلاف پر گولی نہ چلائیں۔ کسی کو قتل نہ کریں بلکہ کوئی بندہ اگر آپ کو ناپسند ہے تو اس کی اصلاح کے لیے دعا کریں۔ اس نے گناہ کر کے مجھے اور آپ کو نیک تو ثابت کر دیا اور نہ شاید نیکوں کے زمانے میں ہوتے تو لوگ ہمیں بدکاروں میں بھی شمار کرنے کو تیار نہ ہوتے۔ تو یہ کوئی محض رسم و رواج نہیں ہے۔ پیری مریدی نہیں ہے۔ یہ ایک شعبہ ہے حفاظت الٰہیہ کا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ یہ وہ نعمت عظمیٰ ہے۔ جو ہر خاص و عام کو نہیں ملتی یہ اللہ کا احسان ہے کس کس کو

نصیب ہوئی ہے اور اس نعمت کا کوئی متبادل نہیں اور یہ طے شدہ بات ہے۔

میں نے اگلے دن وزیرِ اعظم سے بھی یہی کہا ہے کہ کوئی دوسرا راستہ کسی کے پاس نہیں ہے جو بہتری کی طرف جاتا ہو۔ صرف اور صرف دینِ حق اور محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی اور آپ ﷺ کا اتباع ہے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ کوئی ناراض ہو یا راضی رہے۔ یہ اٹل حقیقت ہے اور یہ بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے اللہ کریم آپ سب کو بھی اور حاضر و غائب تمام دوستوں کو بھی اس سے مستفیض ہونے کی توفیق بخشے اور اللہ ہمیں اس حال پہ قائم رکھے۔ اس کیفیت میں موت نصیب ہو اور صاحب حال لوگوں اور صالحین کے ساتھ حشر فرمائے۔ آمین!